21/69

انسان کی حقیقت

عام طور پر انسان کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ دو پاؤں، دو ہاتھ، دو آنکھیں، بتیس دانت، دو کان، ایک زبان اور قد سیدھا ہونے کا نام انسان ہے حالانکہ یہ چیز حقیقتاً انسان نہیں ہے البتہ انسان کا لفافہ ضرور ہے جس طرح کہ خط لفافہ کو کہا جاتا ہے حالانکہ لفافہ خط نہیں ہوتا بلکہ لفافہ کے اندر خط ملفوف ہوتا ہے اگر لفافے کے اندر خط نہ ہو تو لفافہ بے کار اور فضول ہے اسی طرح اگر اس لفافہ کے اندر انسانیت پائی جائے تو پھر یہ لفافہ قابلِ قدر ہے اور اگر اندر انسانیت کا جوہر نہیں ہے تو پھر یہ لفافہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے اور وہ شکلِ انسانی جس میں انسانیت کا جوہر نہ ہو اس کی ردی کی ٹوکری دوزخ ہے۔ (حضرت لاہوری قدس سرہٗ)

30-4-76

مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور پاکستان

احادیث رسول

نیت کی درستی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَّتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ۔

ترجمہ: "حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے تمام عملوں کے نتیجے نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے اس کے عمل کا وہی نتیجہ ہے جس کی اس نے نیت کی ہو۔ اگر کسی کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہی ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے لیے ہے تو وہ دنیا ہی پائے گا۔ اور اگر ہجرت سے کسی عورت سے نکاح کرنا مقصود ہے تو اللہ کے ہاں اس کی ہجرت اسی کام کے لیے لکھی جائے گی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔"

یہ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث پاک ہے۔ اور ہمیں رہنے سہنے اور آپس میں ایک دوسرے سے معاملے اور برتاؤ کرنے کے لیے سنہری اصول بتاتی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے عمل کا دار و مدار اس کی نیت پر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کے دل کا حال جانتے ہیں۔ جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتا ہے اس سے واقعی اللہ تعالےٰ کی رضا کی آرزو ہے یا دل میں کھوٹ ہے۔ اور محض لوگوں پر اعتبار جما کر ان سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہے۔ اور ان سے مال و دولت یا اور کوئی مطلب نکالنا مقصود ہے یا نیک کہلانے اور دنیا کی عزت حاصل کرنے کی طلب ہے۔

اگر نیت درست ہے اور اللہ کی رضا ہی چاہیے تو اللہ راضی ہو جاتا ہے اور اس عمل کو قبول کر لیتا ہے اور اگر نیت خالص نہیں تو اللہ تعالےٰ اس دکھلاوے کے عمل کو قبول نہیں کرتے اور یہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا کی عزت یا مال یا اور کوئی مطلب تو وہ کبھی حاصل ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مثال میں تین حالتیں بیان فرمائی ہیں کہ تین آدمی ہیں۔ یہ تینوں اپنے مختلف ارادوں اور مقصدوں کے ماتحت وطن چھوڑتے ہیں ان میں سے ایک تو اس لیے کہ باہر جا کر اللہ اور اس کے رسولؐ کا کلمہ بلند کرے۔ دوسرا اس لیے کہ سفر اختیار کرکے دنیا کا مال و زر اکٹھا کرے اور تیسرے اس لیے کہ کسی دوسری جگہ جا کر کسی عورت سے نکاح کرے۔ اگرچہ تینوں کا عمل ایک ہی ہے یعنی وہ سب گھر بار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ ہجرت کرتے ہیں لیکن چونکہ مختلف مقاصد کے لیے اور مختلف ارادوں سے ہجرت کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ عمل ان کی نیت کے مطابق سمجھا جائے گا۔ اور نتیجہ کے لحاظ سے سب کا درجہ ایک نہیں ہوگا۔ بلکہ جس کی جتنی اونچی اور اعلیٰ نیت ہوگی۔ اس کو اتنا ہی اعلیٰ پھل ملے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ کہ اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے کو اس کے برابر سمجھا جائے جو صرف دنیا کمانے کے لیے سفر کرتا ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اپنی نیت کو نیک اور خالص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۱ — شمارہ نمبر ۲۹

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول

جانشین شیخ التفسیر

مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

مدیر

محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارہ تحریر

- مولانا محمد اجمل
- زاہد الراشدی
- صالح محمد سندی

بدل اشتراک

سالانہ	۳۵.۰۰
ششماہی	۱۸.۰۰
سہ ماہی	۹.۵۰
	۰.۷۵

اتحاد کے دشمنو!

ہوش کرو!

پروردگار عالم نے سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے طور پر محمد کریم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو ان پر جو قرآن نازل فرمایا اس میں باہمی محبت و تعلق اور بھائی چارگی کا سبق دیا اور اس کو ایک ایسی نعمت قرار دیا جو روئے زمین کی دولت خرچ کر کے حاصل کرنا بھی مشکل ہے۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہمی اخوت و بھائی چارگی کا عملی سبق پڑھایا اور ایسے معاشرہ کی تشکیل دی جس میں خونی اور قبائلی رشتوں کے مقابلہ میں دینی اور روحانی تعلق کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اور جب تک معاشرتی حیثیت یہی رہی اس وقت تک مسلمان دنیا میں ہر طرح امن و سکون سے زندگی گذارتا رہا۔ اور کوئی اسے میلی آنکھ سے دیکھنے والا نہ تھا کیونکہ دشمن جانتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی حرکت کی تو ہمیں مسلمانوں کی سیسہ پلائی دیوار سے ٹکرانا پڑے گا اور اس سے ٹکرانے کا مطلب اپنا سر پھوڑنا ہے اور بس۔

لیکن اب بدقسمتی سے وہ صورت حال باقی نہیں رہی بلکہ چاروں طرف لڑائی جھگڑا، سر پھٹول، باہمی عداوت و نفرت نے جنم لے لیا ہے جس کا سلسلہ اس حد تک پھیل گیا ہے کہ خدا کی پناہ!

اخبارات و رسائل کا نصف سے زائد حصہ اس قسم کی خبروں اور فیچروں سے بھرا ہوتا ہے جس میں آپ کو نا اتفاقی کے منحوس برگ و بار خوب خوب نظر آئیں گے۔ یہ برگ و بار وہ ہیں جو انتظامیہ کے کسی فرد کی عقابی نگاہوں کو نظر آ گئے ہیں۔ جبکہ رشوت و سفارش اور پارٹی کے رعب پر بچ جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اختلاف و نا اتفاقی کے منحوس سالوں میں مذہب کے نام پر سر پھٹول کی جو صورت حال انگریز کے منحوس دور میں شروع ہوئی وہ اس قدر توانا و مضبوط ہو چکی ہے کہ جب تک پوری ملت اجتماعی طور پر نعرہ رستاخیز بلند نہیں کرے گی اس وقت تک اس لعنت سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔

ہمارا خیال تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد اس کے اثرات بھی فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور ملت سکھ اور سکون کا سانس لے گی لیکن افسوس یہ ہے کہ گورے فرنگی کے جانے کے بعد جو کالا فرنگی ہم پر مسلط ہوا اس نے ـــ ع

آں چہ پدر نتواں کرد پسر تمام کرد

کا مقولہ پورا کر دکھایا اور دوسرے معاملات کی طرح یہاں بھی لڑاؤ اور حکومت کرو کی احمقانہ سوچ پر ہر طریق سے عمل کیا اور ملت کو آپس میں لڑا لڑا کر اس کی قوت کو تباہ کر دیا۔

باوجود اس کے کہ مدتہائے دراز سے دنیا میں سنی شیعہ وقت گزار رہے تھے لیکن یہ حکومت کا کارنامہ ہے کہ اس نے نصاب وغیرہ کی بنیاد پر دشمنی کی مستقل بنیاد فراہم کر دی۔

اس کے بعد دیوبندی بریلوی وغیرہ ٹائپ کی لڑائی ہے تو اس کا یہ عالم ہے کہ گستاخ قلم اور بے لگام زبانیں کسی کو معاف کرنے کو تیار نہیں۔

جس ذات شریف نے انگریز کے سایۂ عاطفت کو رحمت خداوندی قرار دینے کے باوصف اپنے کو "اعلیحضرت" اور نامعلوم کیا کیا کہلایا۔ اس بچارہ اور اس کی ذریت کا یہ عالم ہے کہ ان کی جوش کافر گری سے ملک کا کوئی قابل ذکر عالم، لیڈر اور کارکن نہیں بچا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محفوظ نہیں، ان کی نسبی اور روحانی اولاد محفوظ نہیں اور اس سے آگے مولانا عبدالباری فرنگی محلی، علامہ اقبال، مسٹر جناح، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی حتی کہ ان سے پہلے ٹیپو سلطان جیسے مخلصین و مجاہدین بھی محفوظ نہیں رہے۔

اور ابھی حال ہی میں حرمین کریمین کے ائمہ کرام یہاں آئے تو یار لوگوں نے کفر گری کی توپیں ان کی طرف کھول دیں۔ انہیں بدعقیدہ بتلایا۔ ان کے پیچھے نماز ناجائز بتلائی اور حرمین میں جانے والوں کو فتویٰ دیا کہ ان بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے نماز مت پڑھو علیحدہ پڑھ لو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کراچی اور لائلپور وغیرہ کے قابل صد نفرین مفتیوں کے اس قسم کے فتوے ہمارے پاس محفوظ ہیں جن میں بہت کچھ کہا گیا ہے ان میں جو خاص بات ہے وہ ہے ائمہ مکرمین کی اقتدا میں لاکھوں نماز پڑھنے والوں کی نماز کو کار بے خیر کہنا۔ وغیرہ ذالک

سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ قرآن وسنت کے مطابق ہے؟ ائمہ ہدیٰ کے ارشادات بھی کچھ ہیں؟ اکابر اولیاء کرام بھی کچھ کرتے رہے؟ حاشا وکلا ایسا نہیں اور بالکل نہیں۔

بلکہ قرآن وسنت اور اہل حق کا چودہ سو سالہ تسلسل محض اور محض باہمی محبت خلوص اور پیار پر ہے۔ اور اسی میں اہل حق کی جمعیت کا راز تھا اور اسی وجہ سے وہ کامیاب و سربلند تھے۔

لیکن آج ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو لڑائی جھگڑے کا بیج بویا جا رہا ہے اس کے برے انجام سے شاید یار لوگ واقف نہیں۔ ہم بڑے اختصار کے ساتھ کہیں گے کہ اس طرح نوجوان نسل مذہب سے دور ہوگی جس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی۔ میں اس طائفہ کے سنجیدہ حضرات سے بشرطیکہ کچھ ہیں درخواست کروں گا کہ اس روش کا سختی سے نوٹس لیں اور اس قماش کے لوگوں کو لگام دیں۔ نیز حکومت جو اپنی ذات کے معاملہ میں ڈی پی آر کے فراخدلانہ استعمال میں بڑی بہادر واقع ہوئی ہے۔ وہ اساطین ملت واکابرین قوم کی عزت و ناموس کا تحفظ کرے اور دشمنان دین وملت کی اس حقیر ٹولی کا قلع قمع کرے تاکہ ملت آنے والے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ پچھلے دنوں جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ایک مستقل قرارداد اتحاد و اتفاق کے ضمن میں پاس کی اور سبھی کو گلے لگنے کی دعوت دی۔ خدا کرے کہ جمعیۃ کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو اور ہر کوئی اس صدا پر لبیک کہے اگر ایسا ہوگا تو اسلامی نظام کی منزل بہت قریب آجائے گی۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

گزشتہ دنوں سفر بہاولنگر میں قائد جمعیۃ مفکر اسلام مفتی محمود جانشین شیخ التفسیر نے

ماہانہ آیت کریمہ کی برکات

کے متعلق واقعات سنے تو اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اس موقع پر میرے لیے نیز جمعیۃ علماء اسلام کی اپنے مقاصد میں کامیابی اور طاغوتی طاقتوں سے نجات کی خصوصی دعا کا اہتمام فرمائیں۔

اس محفل پاک میں اس نوعیت کی دعاؤں کا پہلے ہی اہتمام رہتا ہے لیکن اب قائد محترم کی خواہش کے مطابق اور زیادہ اہتمام ہوگا۔

اب یہ محفل خیر و برکت انشاء اللہ تعالیٰ

۶ مئی بروز جمعرات

منعقد ہوگی۔ آیئے اور گوہر مقصود حاصل کیجئے۔

خطبہ جمعہ

ضبط و ترتیب : ادارہ

اجتماعی زندگی سے فرار

اور

سیاست کو شجرۂ ممنوعہ سمجھنا تعلیم کتاب و سنّت کے منافی ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :-

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

آج کی معروضاتِ جمعہ کا عنوان ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ معاشرتی اصلاح کریں۔ اس ضمن میں سورۂ مائدہ کی ۲ویں آیت کا ایک حصہ تلاوت کیا گیا ہے۔ ترجمہ ہے:

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں باہم تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی میں اعانت مت کرو۔"

اسلام کے ابدی اور سرمدی ہیں یہ بڑا اہم اصول تھا اور ہے کہ تعاون علی الخیر کی راہ اختیار کی جائے بلکہ سَابِقُوْا بِالْخَیْرَاتِ کا اسلام نے حکم دیا کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ اور جن باتوں کو قرآن نے منہیات میں شمار کیا ان سے بچنا ہمارا فرض تھا نہی عن المنکر یہی ہے۔

لیکن آج ہمارے سامنے اس دھڑلے سے برائی اور فسق و فجور ہو رہا ہے کہ خدا کی پناہ، اور منبع خیر حکومت ہوا کرتی ہے۔ نیکی کا رواج اور تنفیذ حکومت کا فرض ہے مسلم معاشرہ میں نیکی کا رواج اور برائی کا خاتمہ اس کا فرض ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ الآیہ سورۂ حج کی آیت میں یہی فرمایا۔ کہ جن کو ہم طاقت دیتے ہیں ان کا فرض ہے کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں۔ اس پر گذشتہ جمعہ کچھ تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔ سربراہ حکومت چاہے اس کا نام امیر المومنین ہو یا صدر و وزیر اعظم، اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام پر عمل کرنا اور کرانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر وہ صحیح عمل کرے تو اس کے ساتھ تعاون ہمارا فرض ہے اور ایسا نہ ہو تو پھر حضرت صدیق اکبرؓ کی بات اکثر عرض کرتا ہوں کہ انہوں نے پہلے خطبہ میں، خلیفہ بننے کے بعد فرمایا۔ کہ اگر میں کتاب و سنت کی اتباع کروں تو تم میرا کہا مانو اور اگر میں بھٹک جاؤں تو میری اصلاح کرو، مجھے سیدھا کرو۔

گویا حکمران کی اتباع و انقیاد ہی فرض نہیں بلکہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کی اصلاح بھی فرض ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلے ہی متنبہ فرما دیا۔ برصغیر کی تاریخ میں اور پھر پاکستان بننے کے بعد ہمارے اہل اللہ اور علماء و صلحاء نے یہی فرض سرانجام دیا کہ حکومت پر نگاہ رکھی اور جب دیکھتے ہیں کہ حکومت غلطی کر رہی ہے تو اسے ٹوک دیتے ہیں اصلاح کی غرض سے! عوام کو ان کے ساتھ گرویدگی اور محبت ہوتی ہے۔ اس لیے حکمران ان کی احتسابی طاقت سے ڈرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ محض مجنون کی بڑ نہیں بلکہ اس کے پیچھے عوامی طاقت ہے اس لیے حکمران ان سے ڈرتے اور ہر ممکن ان کے مشوروں پر عمل کرتے ان کی نشاندہی پر غلطیوں کی اصلاح کرتے۔

اب یہ احتسابی قوت عوام کی طرف منتقل ہو چکی

ہے کیونکہ وہ احبار و رہبان جو اصلی احتسابی قوت تھے اور جن کی پشت پر عوام ہوتے تھے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے ہیں سیاست کو حرف غلط سمجھتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک شجر ممنوعہ ہے۔ بس یہی ان کا خیال ہے کہ جو ہم سے نہیں الجھتا ہم بھی اس سے نہ الجھیں۔ یہ سوچ تعلیمات قرآنی و نبوی کے بالکل برعکس ہے اور ہمارے سابق اہل اللہ کے طرز عمل کے بالکل منافی ہے۔

سلطان نظام الدین اولیاءؒ کو غلجی نے کوئی ایسی جاگیر اور قطعہ دینا چاہا جس سے لنگر وغیرہ کا خرچ چل سکے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میری اور متعلقین و احباب کی روزی کا جب اللہ رب العزت ذمہ دار ہے۔ اور جب خدا نے مجھے اپنی ذات پر اعتماد کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو پھر کسی انسان سے اس قسم کی امید کیونکر وابستہ رکھوں خدا سے ہٹ کر کسی دوسرے کی طرف نگاہ لگاؤں، یہ کیسے جائز ہے؟

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جن کو غوث الاعظم کہا جاتا ہے اور جن کے نام پر بڑی گیارھویں (؟) منائی جاتی ہے کو حکمران نے اشرفیوں کا توڑا بھیجا تو آپ نے فرمایا۔ کہ یہ عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہے تو میں اس حرام کی کمائی میں اور اس ظلماً ہتھیائی ہوئی دولت میں مجھے بھی شریک کرنا چاہتے ہو؟ مجھے بھیجنے کے بجائے یہ ظلم سے وصول کردہ ٹیکس ان کو واپس کر دینا چاہیے۔

یہی حال تھا ان اہل اللہ کا اور حضرت شیخ عبدالقادرؒ حکمرانوں کے پاس جانا پسند نہ کرتے اور جب ان کے پاس کوئی آنا چاہتا تو اٹھ کر اندر چلے جاتے۔ اُٹھ کر اندر اس لیے چلے جاتے کہ جب وہ آئیں تو مجھے ان کی تعظیم نہ کرنی پڑے۔ ہاں وہ بیٹھ جاتے تو پھر اندر سے تشریف لاتے۔ اب وہ بادشاہ اٹھے نہ اٹھے اس کی مرضی۔ بہرحال آپ آکر بیٹھ جاتے۔ اس سے اس بحث سے بچنا بھی مقصود تھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیسا متکبر درویش ہے جو آداب شاہی سے بھی واقف نہیں؟ ایسی طرح حضرت مجدد الف ثانی کا واقعہ ہے۔ کہ انہیں قلعہ گوالیار میں بند کر دیا گیا کہ انہوں نے آداب شاہی کو ملحوظ نہ رکھا۔ جو بالکل غلط تھے جن میں سجدہ تعظیمی وغیرہ شامل تھا۔ بادشاہ نے حیلہ کیا کہ ایسی کھڑکی سے بلوایا جس کے اندر آنے میں خواہ مخواہ جھکنا پڑے لیکن آپ سمجھ گئے کہ یہ مجھے طاغوت کے سامنے جھکانا چاہتے ہیں۔ اور جو گردن کسی کے سامنے نہ جھکی سوائے خدا کے، وہ کیسے جھک سکتی؟ سجدہ تعظیمی امتِ میں بالکل ناجائز ہے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھیوں نے عجمی لوگوں کو دیکھا کہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ان سے زیادہ مستحق سجدہ ہیں تو آپ نے فرمایا کہ خدا کے بغیر اجازت ہوتی تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کو سجدہ کرے لیکن سد ذرائع کے طور پر اس کی بھی اجازت نہیں کیونکہ دیکھنے والا تو وہم میں پڑ سکتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت ہے یا تعظیمی اور اسلام ایسی صورتوں کی بھی اجازت نہیں دیتا جن میں وہم و اشتباہ ہو جیسے طلوع و غروب آفتاب کا وقت اور زوال کا وقت، کہ ان وقتوں میں ہمیں نماز و سجدہ کی اجازت نہیں کیونکہ اس وقت شیطان اور اس کی ذریت سورج کو سجدہ کرتی ہے اور شیطان بھی سطح سمندر پہ بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو، مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

بہرحال مشرکین سے مشابہت سے بچنے کے لیے اس وقت سجدہ کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ مسئلہ واضح ہے کہ طلوع و غروب اور زوال کے وقت کسی نماز وغیرہ کی اجازت نہیں۔ اور اجازت نہ ہونے کی وجہ مشابہت سے بچنا ہے کیونکہ مشابہت کا انجام یہ ہے کہ جن کے ساتھ مشابہت ہوگی۔ اس کے ساتھ حشر نشر ہوگا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ اور اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ارشادات حدیث ہیں

تو بات عرض کر رہا تھا مجدد صاحبؒ کی، جہانگیر نے حیلہ کیا تو آپ نے بھی کھڑکی میں بیٹھ کر پہلے پاؤں باہر کو نکالے پھر ادھر کا دھڑ۔ اسی کے متعلق اقبال نے کہا ہے ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

تو بات اہل اللہ اور ان کی قوت احتساب کی ہو رہی تھی۔ اس پر واقعات آ گئے۔ دیکھئے ان لوگوں سے دنیا گھبراتی تھی۔ انہیں کسی چیز سے تعلق نہ تھا۔ ہاں حدود الٰہی کا تحفظ ضروری سمجھتے۔ کبھی کوتاہی دیکھتے تو ٹوکتے۔ اسی

وجہ سے حکمران ان سے ڈرتے اور خوف کھاتے اور ساتھ ساتھ ان کا احترام بھی کرتے۔ اب حالت یہ ہے کہ سیاست اور اجتماعی زندگی کو شجر ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حکمرانوں کے دروازہ کی دریوزہ گری سے یار لوگ نہیں چوکتے۔ انا للہ ——

جب اللہ والے غیرت مندانہ کردار ادا کرتے تو حکمرانوں کے دل میں خوف ہوتا وہ گھبراتے، احترام کرتے۔ جیسا مجدد صاحب کو بعد میں جہانگیر نے چھوڑا، معافی مانگی بلکہ دین الہٰی کی جو رواداریاں تھیں جن سے احکام و شعائر اسلامی کی پامالی ہو رہی تھی ان کا علاج کرایا۔ اور سجدہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرایا۔ یہ شرطیں تھیں۔ جب یہ مانی گئیں تب جیل سے باہر تشریف لائے۔

یہ ایک حضرت مجدد صاحبؒ پر منحصر نہیں بلکہ ہندوستان میں سب اہل اللہ نے یہی کردار ادا کیا جس کی وجہ سے الحمدللہ سرمایہ حیات محفوظ ہے اور کسی نہ کسی درجہ میں نام خدا لیا جا رہا ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ لوگ آج کی طرح خاموشی سے بیٹھ جاتے تو جو حشر ہوتا اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت مجدد صاحبؒ کے بعد تشریف لائے۔ وہاں نمائشی حکومت مغلوں کی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ادھم مچا رکھا تھا، ادھر مرہٹے وغیرہ فساد کر رہے تھے تو حضرت شاہ صاحب نے اصلاح کا کام شروع فرمایا۔ نواب نجیب الدولہ کی معرفت احمد شاہ ابدالی کو خط لکھوایا جس نے یہاں آ کر پانی پت کے میدان میں مرہٹہ کی طاقت کو غارت کیا۔ اور انہیں موت کی نیند سلا کر ان کے فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

افسوس یہ ہے کہ اس کے بعد بھی مسلمان حکومت نہ سنبھلی اس پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے منظم جدو جہد کا آغاز کیا اور یہی میں نے ابتدا میں کہا کہ علماء نے اپنی ذمہ داریوں سے کبھی پہلو تہی نہیں کی اور۔ انگریزی دور میں تو اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ پر اور زیادہ قوت سے عمل کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ان کے پاس طاقت ہوتی تو طاقت سے اس کو مٹا ڈالتے کیونکہ اصل تو برائی کو مٹانے میں طاقت ہی ہے مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ (الحدیث) حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اس کی طاقت نہیں تو پھر فَبِلِسَانِهٖ کا درجہ ہے۔ اور علماء نے ہمیشہ یہ فریضہ سرانجام دیا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہندوستان میں تاجداروں، شاہوں کے ہاتھوں نہیں آیا —— اہل اللہ صوفیا کے ہاتھوں آیا۔ حضرت علی ہجویری کا دور ابتدا کا ہے چوتھی صدی ہجری جب وہ آئے تو یہاں کفرستان تھا، برائے نام اسلام تھا۔ سید علی ہجویریؒ کا انتقال ہوا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نو عمری میں تھے۔ اور ان کا انتقال ہوا تو خواجہ اجمیری ۲۴/۲۵ سال کے تھے۔ اس وقت جبکہ پاکستان و ہندوستان کے علاقوں میں حکمران ابھی تیغ آزمائی میں مصروف تھے۔ صوفیاء نے ہندوستان میں اسلام کی عظمت کو چار چاند لگاتے ہوئے تھے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھئے کبھی محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ جیسے سپہ سالاروں اور بادشاہوں نے کسی کو کلمہ نہیں پڑھایا بلکہ معین الدین اجمیریؒ، علی ہجویریؒ اور ان کے نام لیواؤں اور پیروکاروں نے کلمہ پڑھانے کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے پاس کوئی طاقت، فوج اور قوت و اسلحہ نہ تھا کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناتے اور اسلام تو ویسے بھی جبراً کسی کو مسلمان بنانے کے خلاف ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ حق و باطل کو اللہ نے آشکارا کر دیا۔ اسلام نے جن اخلاق کریمانہ کے اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے ان کو اپنانے، محبت و پیار اور اخوت و مودت سے لوگوں کے دلوں میں اتر جائیے تو اسلام کو لوگ مسلمانوں کے کردار اور عمل کو دیکھ کر خود بخود قبول کرنے لگیں گے اور یہ کام صوفیاء کرام نے بہترین طریق سے سرانجام دیا۔ حکمرانوں اور سلاطین نے بھی صوفیاء کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے کسی کو زور سے کلمہ نہیں پڑھایا۔ اگر محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ جیسے لوگ تلوار سے کلمہ پڑھانا شروع کر دیتے تو آج یورپ میں مسلمانوں کے خلاف جو شدومد سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو درست ثابت ہو جاتا لیکن الحمدللہ مسلمان حکمرانوں اور صوفیاء کرام کا دامن اس دھبہ سے پاک صاف ہے۔ اسلام سربلند ہے اور سربلند رہیگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صحابہؓ آسمانِ رشد کے روشن ستارے ہیں

حافظ محمد ظہور الحق ظہور جھنڈیالی

مجھے ماں باپ سے، اولاد سے اور جاں سے پیارے ہیں
صحابہؓ راحتِ قلب و جگر آنکھوں کے تارے ہیں

صحابہؓ رونقِ بزمِ رسالت بن کے آتے ہیں
صحابہؓ ہی نے سمجھے ہیں نبیؐ کے جو اشارے ہیں

صحابہؓ گلشنِ اسلام کے گلہائے رنگیں ہیں!
فدایانِ جمالِ مصطفیٰؐ، اصحابؓ سارے ہیں

صحابہؓ نے صداقت سے، عدالت سے، سخاوت سے
شجاعت سے، پریشاں گیسوئے فطرت سنوارے ہیں

صحابہؓ ہی کی نصرت کو خدا نے آسمانوں سے
فضائے بدر میں لشکر فرشتوں کے اتارے ہیں

صحابہؓ کو خدا نے عز و تمکین و رضا بخشی
محمدؐ کو بھی پیارے ہیں خدا کو بھی وہ پیارے ہیں

صحابہؓ ہی نے آغوشِ نبوت میں جگہ پائی
صحابہؓ ہی کو حاصل جلوۂ حق کے نظارے ہیں

ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ نے محبت سے
نبیؐ کے بعد بھی یکجان ہو کر دن گذارے ہیں

جو محبوبانِ محبوبِ خدا سے بیر رکھتے ہیں
وہی رسوائے عالم ہیں وہی قسمت کے مارے ہیں

صحابہؓ مقتدائے اہلِ عرفاں ہیں، ظہور الحق
صحابہؓ آسمانِ رشد کے روشن ستارے ہیں

محمد عمر شاہ بخاری، مدرسہ باب العلوم، کہروڑ پکا

آپ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے۔ (جو کہ کنانی النسل عرب تھے) مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے دروں اور ریگستانی بیابانوں سے ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے اس شاہراہ کی کسی ایک سمت میں غفار بن بلیل کی اولاد غفار کے نام سے آباد تھی۔ آئے دن قریش کے تاجروں اور عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ سامان سے مرصع ہو کر شام کی طرف جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ تجارِ عرب نے اتنی معیاری ترقی کی کہ راستہ کے قبائل و اعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں ان پر پڑنے لگیں۔ رفتہ رفتہ اس معاملے نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ ان کے ہاتھوں سے دامنِ صبر چھوٹ گیا اور گزرنے والے قافلوں پر انہوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ اور راہگیر مسافروں کو تنگ کرنے کی سعی میں مصروف ہو گئے۔ غفاریوں کی اس نازیبا حرکت نے متعدی مرض کی شکل اختیار کر لی۔ کہ راہزنی کے ساتھ ساتھ نواحی قبائل کے ریوڑوں کو بھی تاخت و تاراج کرنے لگے۔

آہ! اگر اسی پر بس ہو جاتی تو کسی حد تک غنیمت تھی۔ کیونکہ ایامِ جاہلیت میں بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے یہ امر چنداں شنیع نہ تھا۔ لیکن اس زہر نے مزید سرایت کی کہ ان اشہرِ حرام میں (کہ جن کی تعظیم تمام عرب کے نزدیک ایک مذہبی روایت اور قومی خصوصیت کی شکل میں مسلّم تھی) ڈاکہ زنی پر ان کو آمادہ کر دیا۔ غفاریوں نے اشہرِ حرام کی حرمت کو نظر انداز کر کے ایسی مذموم حرکت کا ارتکاب کیا جو ایک غیر شریف انسان سے بھی ممکن نہیں تھی۔ عین انہی ایام میں جبکہ غفاریوں پر طغیانی و نامرادی کے بادل چھائے ہوئے تھے سفیان بن حرام بن غفار کے آمنہ بنت ربیعہ کے بطن سے وہ ولد سعید پیدا ہوا کہ جس جیسے اصدق ترین انسان کو زمین نے اپنی پشت پر نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمان نے اس جیسے سلیم الطبع انسان کو اپنے آغوشِ ظلال میں پالا تھا۔ ماں باپ نے آپ کا نام جُندب رکھا۔ اسی وجہ سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مشفقانہ انداز میں اس لفظ کو یا جندب کے ساتھ ادا فرمایا۔ ابوذر آپ کی کنیت تھی۔ اسی سے آپ کی شہرت ہے۔ عین انہی دنوں میں جبکہ غفاریوں کی ڈاکہ زنی شباب پر تھی آپ بھی جوان ہو گئے۔ تیر و کمان سنبھالنے لگے۔ اپنی قوم کی دیکھا دیکھی تلوار اٹھا کر باہر نکل گئے۔ فطری شجاعت کی وجہ سے عرب کے شہسواروں کو للکارتے ہوئے تہ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو اکیلے لے کر قبیلہ تک آ پہنچے اور اپنے قبیلہ سے دادِ تحسین حاصل کی۔ آپ کی دست درازیاں جب حد سے گزر گئیں تو قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور وہ وقت قریب آ گیا کہ وہ اپنی ان ظالمانہ حرکتوں سے باز آئیں۔ معصوم بچوں کے مسلسل شور و بکاء، عورتوں کی گریہ و زاری نے اس کے دل کو جو پتھر سے زیادہ سخت تھا موم سے بھی نرم بنا دیا۔ اور فطرت سلیمہ جو کہ ذات ایزدی کی طرف سے ان کے سینے میں ودیعت فرما گئی تھی جوہر دکھانے لگی۔ عقل نے اندرونِ دل رأفت و رحمت کی بوندیں ٹپکائیں۔ آپ کے دل کی دنیا بدل گئی۔ خیالات میں انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ آخرت کے خوف نے دل میں ہل چل مچا دی۔ مضطرب ہو کر یہ رائے قائم کی کہ میرا جرم عظیم ہے میں نے سینکڑوں بیکس مسافروں، بچوں اور ماؤں کو بڑی بے دردی سے ستایا ہے۔ لہٰذا مجھے اپنی زندگی کا باقی ماندہ حصّہ بجائے

اسلاف و ناملہ کے اس خدا کی عبادت میں گزارنا چاہیئے جو بیکسوں کا مرجع ہے۔ گنہگاروں کا ماویٰ ہے۔ غفور رحیم ہے۔ آپ خود فرماتے تھے یا ابن اخی ولقد صلیت قبل القی رسول اللہ ثلاث سنین۔ یعنی اے میرے بھتیجے! میں محبوب خدا کی زیارت سے تین سال پہلے نمازیں پڑھنے لگا تھا۔

الغرض چند ہی دنوں میں راہ زنی کے تمام ولولے نافت و تاراج کیے جوش و خروش یکایک ٹھنڈے پڑ گئے۔ صبح و مسا یادِ خدا میں محو ہوگئے اور قوم کی بے راہروی پر بصد افسوس و حسرت خون کے آنسو روتے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ ابوذر کی وہ بات جو محض دل کے اپنے تک محدود تھی۔ زبان اس کی عکاسی کرنے لگی تو بنی غفار الٹے پاؤں اذیت پیکار پر آمادہ ہوگئے۔ بے دردی و بے رحمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو ایسی تکلیفیں پہنچائیں کہ آپ ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ آہ! وہ شخص کہ قوم کا ایک ایک فرد جس کی عنایت پروانہ تبسموں کا خواہش مند تھا وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوشمند و جواں بخت تصور کیا جاتا تھا۔ بنی غفار کو اس کے دست و بازو، گھونسے پر ناز تھا۔ آج وہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت بصد حسرت آبائی اجداد سے جدا ہو رہا ہے ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار۔ آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیس کو ساتھ لے کر وطن کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ قطع منازل کے بعد اپنے ماموں کے پاس جو کسی دوسرے گاؤں میں مقیم تھے پہنچ گئے۔ ماموں اپنی بچھڑی ہوئی بہن کو افلاس و ناداری کے عالم میں دیکھ کر بے اختیار چیخ اٹھے اور اپنے بھانجوں کی بڑی عزت و تکریم کی۔ ان کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ماموں نے ان کو اپنی مجلس میں بلند مقام پر فائز کر دیا۔ آنے جانے والے لوگوں کے دل میں ان کے بارہ میں رشک پیدا ہو گیا آہستہ آہستہ اس نے حسد کی شکل اختیار کر لی چنانچہ انہوں نے آپ کے ماموں کے سامنے آپ کی شکایات شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک دن کہنے لگے کہ سردار! جب آپ باہر تشریف لے جاتے ہیں تو آپ کے بھانجے گھر والوں پر حکومت کرتے ہیں۔ ماموں نے بلا کر پوچھ لیا کہ کیا تم ایسے کرتے ہو۔ بس اس کا پوچھنا تھا کہ ابوذر کے دل میں غیرت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ غصہ آ گیا۔ بس پھر کیا تھا کہ حسرت بھرے لہجے میں ماموں کو یہ کہتے ہوئے چل پڑتے ہیں کہ آپ نے گزشتہ تمام احسانات کی نہر کو گدلا کر دیا۔ ماموں نے بڑی تسلیاں دیں، روکا لیکن آپ نے ایک بھی نہ سنی اور اونٹوں کی مہار شہر مکہ کی طرف پھیر دی۔

یہ وہ دور تھا کہ ملت ابراہیمیہ کے احیاء کے لیے ملک القدوس یتیم مکہ کا انتخاب کر چکے تھے اور اسلام کی آواز عشیرۃ الاقربین سے گزر کر مکہ کی سرزمین میں گونج چکی تھی۔ راہ گیر اور مکہ میں تجارت کرنے والے مسافروں کے کانوں سے یہ آواز ٹکرا چکی تھی۔ وہ لوگ باہر جا کر بڑی حیرت و تعجب سے اس کا تذکرہ کرتے۔ ایک جگہ پر ابوذر آرام کے لیے اترے تو ایک مسافر وہاں سے گزرا تو ابوذر کو کہتا ہے کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کی تبلیغ کیا ہے تو مسافر نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے وہی بندگی کے لائق ہے۔

یہ سننا تھا کہ ابوذر کے مضطرب دل کو تسکین آنے لگی۔ فرط تعجب سے پوچھنا شروع کیا کہ اس کا وطن کہاں ہے؟ کس قبیلے سے متعلق ہے؟ مسافر نے تمام چیزوں کی راہنمائی کر دی۔

بس پھر کیا تھا کہ عقیدت والفت کا سمندر روح ابوذر میں موجزن ہو گیا۔ سعادت پیشانی چوم رہی تھی آپ کی رشد و ہدایت کا سامان آسمان پر تیار ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنے بھائی اور ماں کو وہیں بٹھا دیا۔ اور تن تنہا محبوب کی تلاش میں ریگستانوں، خاردار جھاڑیوں کو طے کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ جذبۂ عشق و محبت نے پُرصعوبت منازل کو آسان کر دیا۔ آخر افق سے صبح امید طلوع ہوئی وہ جگر سوختہ ابی ذر گنبد خضراء کے جگمگاتے ہوئے ناصیۂ جمال کو دیکھنے لگا چند لمحے بعد دیارِ حبیب میں داخل ہوتے ہیں لیکن ام القریٰ میں کسی شخص سے واقفیت نہیں۔ سیدھے حرم میں چلے جاتے

ہیں کسی کو کیا معلوم کہ یہ بیکس انتہائی بے سروسامانی کی
حالت میں کس کی تلاش میں ہے۔ ابوذر کی طبع غیور نے
یہ گوارا نہ کیا کہ وہ کسی بت پرست کے واسطہ سے مقصودِ اعظم
تک پہنچیں۔ خود ڈھونڈنا شروع کیا لیکن وہ سراج منیر
کہ جس کی دید کی خواہش میں ہزاروں آنکھیں بے دید ہو چکی
تھیں۔ ہزاروں انظار انتظار کی نذر ہو چکی تھیں نظر بھی
نہیں آتا۔ اسی اثناء میں ابوذر کا زاد بھی ختم ہو گیا۔
ادھر تو لقاء محبوب کی تڑپ ہے۔ ادھر بھوک کی جھڑپ
ہے گویا بجلی کی کڑک ہے۔ عین ممکن تھا کہ ابوذر ان
حوادث سے مغلوب ہو کر رہ جاتے لیکن استقلال کے
پہاڑ نے ایسی جوانمردی کا مظاہرہ کیا کہ اضمحلال پیدا نہ
ہو۔ ماءِ زمزم پر گزارہ کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی کسمپرسی
کے عالم میں شیر دل جوان کے تین دن گزر جاتے ہیں۔
آخرکار سوچا کہ غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی مشرک سے
نہ پوچھوں۔ لیکن اگر محبوب کے محبین میں سے کسی سے
پوچھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اچانک ایک شخص آیا تو
آپ نے پوچھا این الذی تدعون الصابی۔ بدقسمتی سے
وہ کافر تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے زور
سے چیخا کہ ھذا الصابی۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ ظلم کی
تلاطم خیز موجیں جوش میں آگئیں۔ مشرکین ٹوٹ پڑے۔ اس
دردناک منظر کی تصویر خود حضرت ابوذر کھینچتے ہیں فمال
اهل الوادی بکل ملادہ وعظم فخررت مغشیا
علی۔ یعنی اہل مکہ ہڈیاں ڈھیلے اٹھائے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔
اور اس قدر مارا کہ چکرا کر گر گیا۔ چشم فلک اس ہولناک
منظر کو دیکھ کر بصد حیرت یہ کہہ رہی تھی کہ اے اللہ!
اس محبت کی امتحان گاہ میں تیرا مظلوم و بیکس غلام تیرے
دشمنوں کی لاتوں سے روندا جا رہا ہے۔ آواز آئی اے فرشتو!
جاؤ میرے محبوب کے جاں نثار ساتھی کو پیغام تہنیت سنا
دو۔ اور لقاء محبوب کی بشارت دے دو۔ آخرکار ابوذر
کو جب ہوش آتا ہے۔ تو اس خونچکاں منظر کی خود تصویر
کھینچتے ہیں۔ فارتفعت حین ارتفعت کانی نصب
احمر فاتیت زمزم، فشربت ماءها وغسلت من
الدماء۔ یعنی پھر میں اٹھا گویا ایک سرخ بت تھا زمزم
پر آیا پانی بھی پیا، کپڑے خون سے صاف کئے۔ پھر واپس
حرم میں تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر گزری کہ اسد اللہ
الغالب علی بن ابی طالب کا وہاں سے گزر ہوا کیا
دیکھتے ہیں کہ ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے۔ اور
زخموں نے بے چین کر رکھا ہے پوچھا من الرجل کون
ہو؟ جواباً فرمایا کہ غفاری ہوں تو آپ نے رحمت و
رأفت بھرے الفاظ میں فرمایا۔ قم الی منزلی یعنی میرے
گھر کی طرف چلو۔ اٹھ کر چل پڑے لیکن چونکہ پہلے دھوکا
کھا چکے تھے اس لیے اظہار مقصد مناسب نہ سمجھا۔ رات
علیؓ کے دولت خانہ پر بسر کر کے صبح پھر حرم میں پہنچ
جاتے ہیں اور مکہ کے کوچہ و بازار میں مصروف جستجو
ہو جاتے ہیں۔ باوجود کوشش کے مقصد حل نہیں ہوا
دوسری رات آ جاتی ہے۔ حضرت علیؓ پھر آتے ہیں اور
گھر لے جاتے ہیں۔ تیسری رات تشریف نہ لا سکے تو منتظر
مسافر آخر بے آس ہو کر حرم میں لیٹ جاتے ہیں۔ کیا
دیکھتے ہیں کہ دو عورتیں اساف و نائلہ کا طواف کر رہی
ہیں۔ آپ کو غصہ آیا اور فرمایا۔ کہ انکحا احدھما
الاخر۔ یعنی ایک کا دوسری سے نکاح کر دو ــــ یہ
سخت ترین گالی سن کر وہ عورتیں بڑبڑانے لگیں۔ لیکن
اس وقت قدرت کے زبردست ہاتھ نے تھپکیاں دے کر
تمام مشرکین کو سلا دیا تھا۔ اب یہ عورتیں آپس میں باتیں
کرتی جا رہی ہیں کہ سامنے حضرت رسالت مآبؐ و ابوبکرؓ
حرم کی طرف تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے عورتوں سے
پوچھا مالکما۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تو وہ کہنے لگیں کہ کعبہ
میں ایک صابی پڑا ہوا ہے اور ایسی بات کی ہے کہ
جو زبان پر لانے کے قابل نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم کعبہ میں تشریف لائے۔

ابوذر دو آدمیوں کو دیکھتے ہیں تو نیند اچٹ گئی
ماضی کے تلخ تجربہ کا نقشہ سامنے آ گیا۔ خاموشی سے
انتظار کر رہے ہیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ شاہِ دوسرا
صلی اللہ علیہ وسلم آئے، طواف کیا، حجرِ اسود کو چوما۔
اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ ابوذر کی حیران و ششدر
آنکھوں نے کیا کچھ دیکھا اور کیا سمجھا۔ اس کی تعبیر
الفاظ سے نہیں کی جا سکتی۔ ابوذر کی قسمت ان کو چلا کر
کہہ رہی تھی کہ آؤ رحمت کا دریا موجزن ہے، غوطہ زن

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

ثمرات الاوراق

مسلسل

انتخاب لاجواب

خطیب اسلام مولانا محمد اجمل صاحب مدظلہ'

حرصِ دنیا کا انجامِ بد

ایک مرتبہ تین دوست ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راہ چلتے چلتے انھیں ایک خزانہ نظر آیا۔ تینوں نے اس پر جلدی سے قبضہ کر لیا یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے۔ ان دوستوں نے آپس میں کہا و ہم سب بھوکے ہیں۔ ہم میں سے ایک شخص بازار چلا جائے اور کھانا خرید لائے تاکہ ہم سب شکم سیر ہو کر کھائیں،، چنانچہ تینوں میں سے ایک شخص کھانا خریدنے چلا گیا۔ راستے میں اس نے سوچا کہ اگر کھانے میں زہر ملا دوں تو دونوں ساتھی ہلاک ہو جائیں گے اور سارا خزانہ میری ملکیت بن جائے گا۔ آخر اس نے ایسا ہی کیا اور کھانے کے ساتھ زہر بھی خرید لیا اور اس میں ملا دیا۔ اس کی عدم موجودگی میں باقی دو ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور طے کیا کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو اسے قتل کر دیا جائے اور سارے کا سارا خزانہ ہم دونوں آپس میں تقسیم کر لیں۔ اس رائے پر اتفاق ہو گیا۔ جب کھانا لے کر آیا تو دونوں دوست اس پر حملہ آور ہوئے اور اُسے قتل کر دیا۔ پھر دونوں نے اطمینان سے زہر ملا کھانا کھایا اور کھاتے ہی زہر کے اثر سے ہلاک ہو گئے جب عیسیٰ علیہ السلام کا اُدھر سے گزر ہوا تو انھوں نے اپنے حواریوں سے فرمایا:

"دیکھا یہ تینوں کس طرح دنیا کی طلب میں ہلاک ہوئے، افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔" (التبر المسبوک)

مسکرات سے انتہائی نفرت

سلطان غیاث الدین خلجی روزانہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اُٹھتا اس کا حکم تھا کہ اگر وہ غافل سویا اور اٹھنے سے تساہل کرے تو اس کے منہ پر پانی چھڑک دیا جائے اور اگر اس پر بھی وہ بیدار نہ ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اٹھایا جائے۔ اس کی ہدایت تھی کہ گفتگو میں ہر ایسی چیز کا ذکر زیادہ ہو جس پر کفن کا اطلاق ہو تا کہ وہ متنبہ ہو کر عبرت حاصل کرے۔ وہ وضو کر کے توبہ و استغفار کرتا۔ اس کو مسکرات سے نفرت تھی۔ ایک بار اس کے لیے ایک لاکھ تنکے خرچ کر کے نسخہ تیار کیا گیا۔ جب اس کے سامنے یہ معجون پیش کی گئی۔ تو اس نے اس کے اجزا پوچھے۔ جن میں تین سو دوائیں تھیں۔ ان ہی میں ایک درم بوزبوا (ایک نشہ آور چیز) بھی تھی۔ اس کا نام سن کر سلطان نے کہا کہ یہ معجون میرے کام کی نہیں ہے، اور اس کو آگ میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا یہ کسی دوسرے شخص کو عطا کر دی جائے۔ سلطان نے جواب دیا کہ جس چیز کو میں اپنے لیے جائز نہیں سمجھتا۔ اس کو میں دوسرے کے لیے کیوں کر جائز قرار دوں۔ (تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۵۶)

غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑنے کیلئے نگاہ کو پست کر لینا۔

احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کا حکمران احمد نظام شاہ بہت ہی پرہیزگار، نیک خصلت فرمانروا گزرا ہے۔ وہ جب باہر نکلتا تو شہر کے راستے دائیں بائیں نہ دیکھتا۔ بلکہ اپنی نظریں نیچے کیے رہتا۔ ایک گستاخ امیر نے اس کا سبب پوچھا، تو اس نے کہا کہ شہر سے گزرتے وقت میری سواری کا تماشہ دیکھنے کے لیے ہر قسم کے مرد و زن آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری نگاہ کسی غیر محرم عورت پر نہ پڑ جائے، اور اس کا وبال میرے اوپر نازل ہو۔

(تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۰۰ جلد دوم)

(۱)

علماءِ حق اور اُمراء

عثمان بن عطاء خراسانی ناقل ہیں۔ کہ ایک دن والد ماجد نے خلیفۂ وقت ہشام کے ہاں حاضری کا ارادہ کیا۔ میں بھی ساتھ تھا جب ہم شاہی محل کے قریب پہنچے تو ایک سیاہ فام بڈھے پر نظر پڑھی۔ یہ بڑے میاں ایک گدھے پر سوار چلے آرہے تھے جسم پر ایک میلا سا کرتہ تھا۔ اور اس کے اوپر ویسا ہی میلا ایک جبہ تھا۔ اور سر پر مڑھی ہوئی میلی کچیلی ٹوپی تھی۔ ان کی یہ ہیئت دیکھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اور والد صاحب سے میں پوچھنے لگا۔ یہ کون اعرابی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ زبان بند کرو کیا تم نہیں جانتے ہو؟ یہ فقہاء حجاز کے سردار عطاء بن ابی رباح ہیں۔ یہ بھی ہشام ہی کے پاس ملاقات کے لئے جا رہے تھے۔ جب ہم سب دار الخلافہ کے دروازے پر پہنچے تو ہشام کو اطلاع دی گئی کہ عطاء بن رباح اندر تشریف لانا چاہتے ہیں۔ اس نے فوراً آپ کو بلوایا۔ چنانچہ میرے والد (عطاء خراسانی) کو بھی ان کے طفیل فوراً اذن حاضری مل گیا۔ اور وہ بھی ان کی معیت میں اندر چلے گئے۔ واپسی پر انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشام نے عطاء بن ابی رباح کو بڑے اعزاز و اکرام سے خوش آمدید کہا اور اصرار کے ساتھ اپنے ساتھ اوپر ہی بٹھایا۔ اور جو بڑے بڑے عمائد وہاں پہلے سے موجود تھے اور ہشام کے ساتھ باتیں کر رہے تھے سب ساکت و خاموش ہو گئے۔

ہشام نے آپ سے کہا۔ کیا ارشاد فرماتے ہے؟ فرمایا ہاں اس کے بعد آپ نے پہلے اہل عرب اور نجد کے حقوق و ضروریات کی طرف۔ اس کے بعد اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے والے فوجیوں کے حقوق و واجبات کی طرف۔ بعد ازاں اہل ذمہ کے حقوق کی جانب نہایت پروقار انداز میں خلیفہ کی توجہ دلوائی۔ ہشام نے فوراً تعمیل کی اور ان تینوں چیزوں کے متعلق اسی وقت اپنے خصوصی محرر سے حکم نامے لکھوائے۔ اس کے بعد عرض کیا۔ کیا کچھ اور ارشاد فرمائیں گے۔ فرمایا ہاں۔ خود تمہارے بارے میں تم ہی سے اتنا اور کہنا ہے کہ اے مسلمانوں کے امیر خدا سے ڈر اور تقویٰ اختیار کر۔ اگرچہ آج تو صاحب خدم و حشم ہے لیکن اس حقیقت کو نہ بھول کہ دنیا میں تو اکیلا ہی آیا تھا اور اکیلا ہی تجھے یہاں سے جانا ہے۔ پھر اکیلا ہی تو قبر سے اٹھایا جائے گا۔ اور اکیلا ہی تیرا حساب و کتاب ہو گا۔ اور اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے آج جن کو تو دیکھ رہا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی وہاں تیرا شریکِ حال اور ساتھی نہ ہو گا۔

بس تو ہو گا۔ اور تیرا عمل۔ راوی (عطاء خراسانی) کا بیان ہے کہ ہشام نے یہ سن کر بس سر نیچا کر لیا۔ اور عطاء بن ابی رباحؒ اپنی بات ختم کر کے چلے آئے۔ ابھی دروازے تک ہی آئے تھے کہ پیچھے سے ایک شخص کو ایک بھری ہوئی تھیلی ہاتھ میں لئے آتا دیکھا۔ جس کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ روپے تھے یا کہ اشرفیاں۔ بہر حال اس شخص نے بڑھ کر حضرت عطاء سے عرض کیا کہ امیر المومنین نے آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ سننے کی بات ہے حضرت عطاء نے جواب میں فرمایا:۔

ما اصنع بھذا۔ قل ما اسئلکم علیہ اجراً۔ ان اجری الا علیٰ رب العالمین۔

ترجمہ:۔ میں اس کو کیا کروں گا۔ امیر المومنین سے کہہ دینا میں اپنی اس نصیحت کا کچھ عوض تم سے نہیں مانگتا۔ اس کا اجر بس رب العالمین کے ہاں ہے۔ (محاضرۃ الابرار ص۱۹۵)

ایثارِ بے مثال

حجاج بن یوسف ثقفی حضرت ابراہیم نخعیؒ تابعی کا سخت دشمن تھا۔ اور ان کو آزار پہنچانے کی تلاش میں رہتا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہیں آتے تھے۔ بالآخر اس نے اپنے آدمی مقرر کئے۔ کہ ان کو گرفتار کر لائیں۔ حضرت ابراہیم بن یزید تیمی کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابراہیم نخعی کے بجائے خود کو پیش کر دیا۔ اور کہا میں ہوں ابراہیم سرکاری آدمی ابراہیم نخعی کو نہیں پہنچانتے تھے۔ اور ابراہیم تیمی کو پکڑ کر لے گئے۔ حجاج نے حکم دیا کہ ان کو زنجیروں میں جکڑ کر دیماس کے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ یہ قید خانہ ایک عذاب خانہ تھا اس میں سردی، گرمی، دھوپ، بارش سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جو قیدی اس میں داخل ہوا مر کر ہی نکلا۔

اس قید پُر مصائب نے چند ہی روز میں ان کا رنگ روپ اس طرح بدل دیا کہ ان کی ماں بھی ان کو نہ پہچان سکی۔ لیکن ابراہیم تیمی صبر و استقلال کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے اور حجاج کو یہ نہ بتایا کہ وہ ابراہیم نخعی نہیں۔ بالآخر اسی حالت میں انتقال کیا۔ اور ایثار و قربانی کی ایک بے نظیر مثال قائم کر گئے۔ جس شب میں ان کا انتقال ہوا۔ حجاج نے خواب میں دیکھا

کہ ایک جنتی مرگیا۔ صبح کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانے میں جان دی۔

ایثار کا عجیب واقعہ اور اس پر دنیا میں نقد صلہ

ذنخ و اقدی المتوفی ۲۰۷ھ اسلام کے ایک مشہور عالم ہیں ان کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے۔ جن میں ایک ہاشمی تھا ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ ایک جان دو قالب ہوگئے تھے ایک بار میں سخت تنگدستی میں مبتلا تھا۔ اسی حالت میں عید کا زمانہ آگیا۔ اور میری بیوی نے کہا کہ ہم لوگ تو خود صبر کر سکتے ہیں۔ لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے کیونکہ وہ ہمسایوں کے بچوں کو دیکھیں گے کہ وہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے بچے خستہ حالت میں ہیں ان کی طبیعت پر کیا گزرے گی۔ اگر کچھ روپے پیدا کر لیتے تو میں ان کے کپڑے بنوا دیتی۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا اور اعانت کی درخواست کی۔ تو اس نے ایک سربند تھیلی جس میں ہزار درہم تھے بھیجدی۔ اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو ایک خط لکھا۔ اور وہی احتیاج ظاہر کی۔ جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا۔ میں نے وہ تھیلی اس کے پاس بھیجدی اور خود مسجد میں چلا گیا۔ اور وہیں رات بسر کی۔ صبح کو میں نے بیوی کو سارا ماجرا سنایا۔ وہ خوش ہوئی۔ اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست وہی تھیلی مہر بند حالت میں لایا اور کہا سچ سچ بتاؤ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی؟ میں نے اصلی واقعہ بیان کر دیا۔ تو اس نے کہا کہ جب تم نے مجھ سے اعانت کی درخواست کی تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے میں نے اپنے دوسرے دوست سے اعانت کی درخواست کی۔ تو اس نے میرے پاس خود میری مہر بند تھیلی بھیجدی غرض ہم نے اپنے بیوی بچوں کے لئے سو درہم نکال لئے پھر اور رقم کو باہم تقسیم کر لیا۔ اس واقعہ کی اطلاع مامون کو ہوئی تو اس نے مجھے بلا کر واقعہ دریافت کیا تو اس نے ہم کو سات ہزار دینار دلوائے۔ جن میں دو ہزار ہمارے اور ایک ہزار میری بیوی کا حصہ تھا۔

(ماخوذ از علماء اسلام کا اخلاق)

حق ہمسائیگی

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ المتوفی ۱۵۰ھ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا اور دن بھر تو کام کرتا تھا۔ شام کو اپنے گھر گوشت یا مچھلی لے کر آتا تھا۔ اور ان کو بھون کر کھاتا تھا۔ اور شراب پیتا تھا۔ اور جب شراب کے نشے میں دھت ہو جاتا تھا تو یہ شعر پڑھتا تھا۔ ے

اضاعونی

ترجمہ :۔ لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا۔ اور کیسے بہادر کو ضائع کیا۔ جو لڑائی میں ان کے کام آتا۔ بار بار یہ شعر پڑھتا تھا۔ حضرت امام صاحب رات کو نماز پڑھتے تو اس کا شور و غل سنتے۔ ایک روز رات کو ان کے کان میں اس کی آواز نہ آئی تو آپ نے لوگوں سے اس کی بابت پوچھا۔ معلوم ہوا کہ اس کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ اور وہ قید خانہ میں ہے۔

حضرت امام صاحبؒ فجر کی نماز پڑھ کر امیر کی خدمت میں گئے اور اس کی رہائی کی درخواست کی۔ حاکم نے اس کو اور جتنے اس رات کو گرفتار ہوئے تھے۔ سب کو رہا کر دیا۔

اب امام صاحب پلٹے تو موچی ساتھ ساتھ تھا۔ سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے۔ اور پوچھا کیا ہم نے تم کو ضائع کر دیا؟ بولا نہیں آپ نے ہماری حفاظت کی اور حق ہمسائیگی کا لحاظ رکھا۔ اس کے بعد اس نے شراب نوشی سے توبہ کر لی اور پھر شراب نہیں پی۔ (ابن خلکان ص ۱۴۶/۲)

امام نووی کا نعرۂ حق

علماء نے سلاطین کے سامنے اکثر موقعوں پر حق گوئی سے کام لے کر اپنا شاندار ریکارڈ قائم کیا۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ رقمطراز ہیں کہ ایک مرتبہ علماء کی ایک جماعت نے سلطان ظاہر بیبرس کی منشاء کے مطابق فتویٰ دیا تو شیخ محی الدین نوویؒ نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔ انہوں نے تمہارے لئے جھوٹا فتویٰ دیا۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ جب سلطان بیبرس تاتاریوں کے برخلاف لڑنے کے لئے شام روانہ ہوا۔ تو اس نے علماء سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ دشمن سے جنگ کرنے کیلئے زبردستی رعایا کا مال حاصل کرنا جائز ہے۔ شام کے علماء اور فقہاء نے اس کے

حق میں فتویٰ دیا۔ تو اس نے پوچھا کوئی اور عالم فتویٰ دینے والا باقی ہے یا نہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں شیخ محی الدین نووی رہ گئے ہیں۔ اس نے انہیں بلا کر کہا کہ تم بھی فقہاء کرام کے ساتھ فتویٰ پر دستخط کردو۔ انہوں نے انکار کیا۔ تو اس نے پوچھا تم کیوں انکار کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ تم امیر بند قدار کی غلامی میں تھے۔ اور تمہارے پاس مال و دولت نہ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں بادشاہ بنا دیا۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے پاس ایک ہزار غلام ہیں۔ اور ہر غلام کے سنہری پٹکے ہیں۔ اور تمہارے پاس دو سو لونڈیاں ہیں۔ اور ہر لونڈی کے پاس زیورات کے صندوقچے ہیں۔ اگر تم یہ مال و دولت صرف کر لو۔ اور تمہارے غلام سنہری پٹکوں کی بجائے اونی پٹکے باندھیں اور لونڈیوں کے پاس صرف کپڑے رہ جائیں اور زیورات نہ رہیں۔ تو میں اس وقت رعایا کا مال حاصل کرنے کا فتویٰ دوں گا۔ سلطان ظاہر ان کی گفتگو سے ناراض ہوگیا۔ اور کہنے لگا میرے شہر سے نکل جاؤ۔ شہر سے مراد دمشق تھا۔ وہ بولے بہت بہتر۔ پھر وہ نووی اپنے وطن چلے گئے۔ فقہاء نے کہا کہ یہ ہمارے مقتدا اور پیشوا اور بڑے عالم اور بزرگ شخصیت ہیں۔ اس پر اس نے انہیں واپس آنے کا حکم دیا۔ مگر وہ نہیں آئے اور کہنے لگے جب تک ظاہر بادشاہ ہیں۔ وہاں نہیں آؤں گا۔ اس واقعہ کے ایک مہینے بعد ظاہر بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ (ابن قیم ص۱۸)

شاعر کی حاضر جوابی

ایک شاعر نے کسی اموی بادشاہ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے جن میں اپنی مے خوری اور بدکاری کا اعتراف تھا۔ بادشاہ نے کہا تلوار لاؤ۔ میں اس پر حد جاری کروں۔ شاعر نے جواب دیا۔ حضور! کیا آپ نے قرآن مجید نہیں پڑھا۔ وہ شعراء کی برأت پیش کر رہا ہے۔ وانهم يقولون مالا يفعلون۔ یعنی شعراء وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔ بادشاہ اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا۔ اور اس کو انعام سے نوازا۔

نورجہاں کا ملکۂ شعر گوئی

(۱) ایک موقعہ پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرعہ موزوں کیا

ہلالِ عید بر اوج فلک ہویدا شد

نورجہاں نے فی البدیہہ دوسرا مصرعہ پڑھا

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

(۲) ایک مرتبہ جہانگیر نورجہاں سے کئی روز کے بعد ملا۔ ملنے کی خوشی میں نورجہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرعہ پڑھا

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ مے رود

نورجہاں نے فوراً دوسرا مصرعہ فی البدیہہ کہا

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ مے رود

علم کا احترام

خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ وہ دار الخلافت میں تشریف لائیں اور امین و مامون کو حدیث پڑھائیں۔ حضرت امام مالک نے انکار فرمایا اور جواب میں صاف کہلا بھیجا کہ علم خود لوگوں کے گھروں میں نہیں پھرا کرتا بلکہ خود طالبین اس کی طلب میں اپنے گھروں سے نکلا کرتے ہیں۔

یہ جواب پاکر ہارون الرشید نے پھر درخواست کی کہ اگر آپ اپنے حلقۂ درس میں شرکت میں اجازت دیدیں تو ان دونوں کو میں وہیں آپ کی خدمت میں بھیجدوں۔ حضرت امامؒ نے جواب دیا ہاں اس کی اجازت ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مجلس درس میں جہاں ان کو جگہ مل جایا کرے۔ وہیں بیٹھ جایا کریں۔ اور (بزعم خلیفہ زادگی) دوسرے شرکاء درس کے اوپر سے پھلانگ کر آگے پہنچنے کی کوشش نہ کیا کریں۔

یہ شرط بھی منظور کرلی گئی۔ اور دونوں خلیفہ زادے امین و مامون حلقۂ درس میں آنے لگے۔ اس حلقہ کے حاضرین میں حضرت امام مالک کے مشہور تلمیذ یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری بھی تھے۔

ایک دن لکھتے لکھتے اتفاقاً ان کا قلم ٹوٹ گیا۔ تو مامون رشید نے جلدی سے اپنا قلم ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اہل علم و دین سے سنیں کر یحییٰ بن یحییٰ نے کتابت حدیث کے لئے مامون کا قلم لینا قبول نہ کیا۔

ان فی ذالک لذکری لاولی الالباب

(محاضرۃ الابرار صفحہ ۱۹۱)

عُلما کی حق گوئی اور بادشاہوں کی حق پسندی

جلال الدین علامحقق دوانیؒ اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ میں امام الحرمین نے منادی کرادی کہ سلطان کا حکم غلط ہے اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی انتیسویں تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دورہ ملتوی کر دیا۔ اور دارالسلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا۔ اور شام کے وقت مع ارکانِ دولت چاند دیکھنے میں مصروف ہوا۔ لوگوں کی نگاہوں نے آسمان چھان مارا۔ لیکن ہلالِ عید نے مشتاقانِ عید کو اپنا چہرہ نہ دکھایا۔ مگر بعض مصاحبین نے ۲۹ کو عید کرنے کی ٹھان لی۔ غلط سلط افواہوں کی بنیاد پر سلطان سے کہہ دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ اور سلطان کو رؤیتِ ہلال کا یقین دلاکر تمام شہر میں منادی کرادی کہ کل عید ہے۔ امام الحرمین کو جب اس کی اطلاع ہوئی۔ انہوں نے دوسری منادی کا بایں الفاظ حکم دیا۔

ابوالمعالی کہتا ہے کہ کل عید نہیں بلکہ روزہ ہے۔ جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ اُسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے۔ قبل از وقت عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتی شرع کی منادی سنی تو سلطان کی خدمت میں بطور وفد حاضر ہوئے۔ اور بڑے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو باور کرایا کہ مفتی صاحب کے عزائم وخیالات سلطنت کے متعلق بخیر خواہانہ نہیں ہیں۔ اور عوام ان کے عقیدت مند ہیں۔ اگر حضور کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوگی۔ تو یہ بہت بڑی توہین اور ذلت کی بات ہوگی۔ ملک شاہ کو امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا۔ لیکن بادشاہ چونکہ نیک طینت شریف الطبع اور مذہبی آدمی تھا۔ اور علماء کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں تھی۔ اس لئے چند ارکانِ دولت کو حکم دیا۔ کہ امام صاحب کو نہایت ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ۔ مفسد یہاں بھی باز نہ آئے اور عرض جس شخص نے شاہی حکم کی عزت نہیں کی وہ واجب الاحترام اور لائق تعظیم نہیں ہے۔ اس پر سلطان نے فرمایا کہ جب تک امام صاحب سے دو بدو۔ رو برو گفتگو نہ ہو۔ ایسے رفیع القدر اور عظیم المرتبت کی بے حرمتی اور بے عزتی ہو سکتی ہے۔ الغرض ارکانِ دولت امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بادشاہ کا پیغام سنایا۔ امام صاحب اس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ جب حاجب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں۔ تو اس نے اطلاع کی کہ امام صاحب نے ایک اور گستاخی کی ہے۔ کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اور معمولی لباس پہن کر تشریف لائے ہیں۔ اس فقرہ نے اگرچہ ملک شاہ کو گرما دیا تھا۔ مگر پھر بھی امام حاجب کی وساطت سے دریافت کیا کہ جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہیئت کذائیہ سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے فرمایا کہ سلطان کو مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلا لیا۔ امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے سلطان میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں۔ اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جب کہ خدا کے سامنے اس طرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے۔ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ درباری لباس پہن لوں لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ مبادا حکم سلطانی کی تعمیل میں تاخیر کے باعث فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ نہ دیں۔

لہٰذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔ سلطان نے یہ عجیب تعبیر وتاویل سن کر فرمایا کہ جب بادشاہِ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اس طرح واجب ہے۔ تو مابدولت کے حکم کے خلاف منادی کرانا چہ معنیٰ دارد؟

امام صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جو اُمور فرمان سلطانی پر موقوف ہیں۔ ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ اور جو حکم دینی فتویٰ سے متعلق ہے۔ وہ بادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہیئے۔ کیونکہ بحکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔ روزہ رکھنا۔ عید کرنا یہ امور فتویٰ پر موقوف ہیں۔ بادشاہ وقت کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سنی تو بہت متاثر ہوا۔ اور غصہ جاتا رہا۔ اور خوش ہو کر نہایت اعزاز و احترام سے امام الحرمین کو رخصت کیا۔

اور اعلان کیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا۔ اور امام الحرمین کا فتوی درست ہے۔ ملک شاہ کی انصاف پسندی۔ اور امام الحرمین کی حق گوئی و بے باکی ہمارے زمانہ کے علماء اور مسلمان حکمرانوں کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت سفیان ثوری کی خلیفہ منصور کو نصیحت

ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی طواف بیت اللہ میں مشغول تھے۔ اس وقت سفیان ثوری بھی طواف کر رہے تھے۔ اتفاق سے دونوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ خلیفہ نے حضرت سفیان کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ آپ نے مجھے پہچانا۔ آپ نے فرمایا کہ پہچانا تو نہیں۔ البتہ اس قدر سمجھ گیا ہوں کہ تو نے ایک متکبر جابر کی طرح مجھے پکڑا ہے۔ جب تعارف ہو گیا۔ تو منصور نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا تو نے ان باتوں پر جو تجھ کو معلوم ہیں کیا عمل کیا ہے۔ جو اب میں تجھ کو وہ باتیں بتلاؤں جو تجھے معلوم نہیں۔

منصور نے عرض کیا پھر آپ ہمارے پاس کبھی کبھی کیوں تشریف نہیں لاتے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے ہاں آنے سے منع فرمایا۔ یہ جواب سن کر ہکا بکا ہو گیا۔ اور کہا یہ کیسے۔ کیا آپ پر کوئی نئی وحی اتری ہے؟ فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے بعد تو سلسلۂ وحی بالکل موقوف اور منقطع ہوگیا۔ تو نے قرآن مجید نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ ترجمہ تم ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں ذرا بھی مائل نہ ہونا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو دوزخ کی آگ چمٹ جائے (سورۃ ہود آیت ۱۱۳)

ابوجعفر نے برکت حاصل کرنے کی غرض سے اپنا ہاتھ آپ کے بدن پر پھیرا اور اپنے مصاحبین اور مقربین کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ ہم نے علماء کو پھانسنے اور اپنی طرف مائل اور گرویدہ کرنے کے لئے جال بچھا کر دانے ڈالے تھے۔ اکثر تو پھنس گئے مگر سفیان ہمارے دام میں نہ آئے۔

(عقد الفرید صفحہ نمبر ۲۷۶ جلد نمبر ۱)

ایک مسلمان کا یہودی کو الزامی جواب

خلیفہ مرتضیٰ باللہ کی مجلس میں ایک یہودی ملعون کا مسلمان سے مناظرہ ہوا۔ یہودی نے کہا میں اس قوم کے بارے میں کیا رائے قائم کروں جن کو خدا نے مدبرین کہا ہے۔

یہودی قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کر رہا تھا لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم (سورۃ آیت)

مسلمان نے الزامی جواب دیا۔ اور کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ان سے بھی زیادہ پیٹھ پھیرنے والے تھے۔ یہودی نے کہا وہ کیسے مسلمان نے کہا قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ طور پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے لاٹھی کو سانپ بنا ڈالا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس اژدھا کو دیکھ کر ولی مدبرا ولم یعقب۔ ترجمہ موسیٰ علیہ السلام پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا (نمل ۱۰)

سید دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے بارے میں صرف لفظ مدبرین آیا ہے۔ اور اس کے ساتھ لم یعقبوا نہیں فرمایا گیا۔ یہ الزامی جواب سن کر یہودی ہکا بکا رہ گیا۔ انتہیٰ

خداداد ذہانت اور حاضر جوابی

خلیفہ معتصم باللہ اپنے وزیر خاقان کی عیادت (بیمار پرسی) کے لئے گیا تو خاقان کا بیٹا فتح نامی اس وقت بچہ تھا۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا کہ بیٹا میرا مکان اور محل اچھا ہے۔ یا تمہارے والد کا مکان؟ بچے نے فوراً برجستہ کہا کہ اس وقت تو میرے والد کا مکان اچھا ہے کیونکہ امیر المومنین اسوقت اس مکان میں رونق افروز ہیں۔

پھر ایک نگینہ بچے کو دکھایا جو ان کے ہاتھ میں تھا خلیفہ نے پوچھا بیٹے اس نگینہ سے اچھی کوئی چیز دیکھی ہے۔ بچے نے کہا جی ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا بیٹا وہ کیا۔ کہا یہ ہاتھ جس میں یہ نگینہ ہے۔ (انتہیٰ)

اندھے کے ہاتھ میں چراغ

راوی کہتا ہے کہ میں تاریک رات میں ایک ضرورت کے

تحت باہر نکلا دیکھا کہ ایک اندھا اپنے کندھے پر پانی کا گھڑا رکھے ہاتھ میں چراغ لئے آرہا ہے۔ میں نے کہا تو اندھا ہے تجھے چراغ سے کیا فائدہ؟

کہا۔ اے بے وقوف تجھ جیسے دل کے اندھوں کے لئے چراغ ہاتھ میں لیا ہے۔ کہ مجھ سے ٹکرا کر میرا گھڑا نہ توڑدیں

(لطائف علمیہ لابن جوزی)

دینی فراست اور حسن تدبیر

خلیفہ عضد الدولہ نے شاہِ روم کے ہاں بطور سفارت قاضی ابوبکر باقلانی کو بھیجا۔ شاہِ روم کو ان کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے سوچا کہ تمام رعیت زمین بوس اور سربسجود ہوتی ہے۔ اور قاضی صاحب بحیثیت ایک عالم دین ہونے کے یہ کام نہ کریں گے۔

آخر کار یہ صورت نکالی کہ تخت شاہی کو ایسی جگہ پر بچھایا جائے۔ جہاں داخلہ طاقچے سے ہو۔ اور رکوع کی صورت ہو اسی کو زمین بوسی کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔

قاضی صاحب جب وہاں پہنچے تو دیکھ کر معاملہ سمجھ گئے انہوں نے پشت پھیر کر سر کو جھکایا اور دروازے میں پیچھے کو سرکتے ہوئے داخل ہوئے۔ بادشاہ کی طرف قاضی صاحب کی پشت رہی۔ پھر اپنا سر اٹھایا۔ اور گھوم کر بادشاہ کی طرف پھر گئے۔ بادشاہ ان کی اس ترکیب سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور مرعوب ہوا۔

رشتوں کی حقیقت

ابن بختویہ نے اپنی کتاب المقدمات میں اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ لکھا ہے۔ یا بنی الاب رب والاخ فخ۔ والعم غم والخال وبال والولد کمد والاقارب عقارب۔ ترجمہ۔ اے میرے بیٹے باپ پرورش کرنے والا ہے۔ بھائی جال ہے۔ چچا غم ہے۔ ماموں وبال ہے۔ اولاد تکلیف ہے۔ اور رشتہ دار بچھو ہیں۔

دربارِ فاروقی میں ایک عورت کی لطیف شکایت

ایک عورت حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس آئی اور کہا میں اپنے خاوند کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہو۔ اس نے کہا وہ تمام رات نوافل پڑھتا ہے اور دن کو روزے رکھتا ہے۔ حضرت نے فرمایا تیرا شوہر تو بہت اچھا ہے۔ اس عورت نے پھر وہ بات دہرائی۔

حضرت نے وہی جواب دیا۔ حضرت کعب الاسدی نے کہا حضرت یہ مرد کی شکایت کر رہی ہے۔ کہ وہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ فرمایا تم بات سمجھے ہو۔ فیصلہ بھی تم کرو۔ کہا قرآن مجید کہتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔ تین راتیں نفل پڑھے چوتھی رات عورت کی ہے تین روزے رکھے چوتھے دن افطار کرے۔ حضرت فاروق اعظمؓ اس فیصلہ سے بہت خوش ہوئے۔ اور ان کی تعریف وتحسین کی کچھ عرصہ کے بعد انکو بصرہ کا قاضی بنا دیا۔ (المستطرف ج ص) (الاستیعاب لابن عبدالبر تحت الاصابہ ص ۲۸۶ ج ۳)

خلیفہ مہدی کے پاس قاضی شریک بن عبداللہ ملنے کے لئے تشریف لائے۔ خلیفہ نے چاہا کہ خوشبو لگائی جائے۔ خادم کو کہا عود لے آؤ۔ عود باجے کو بھی کہتے ہیں۔ جو سارنگی کی طرح ہوتا ہے۔ خادم بجائے اگربتی کے باجہ لے آیا۔ خادم نے لاکر قاضی صاحب کی گود میں رکھ دیا۔ قاضی صاحب نے کہا امیرالمومنین یہ کیا؟ خلیفہ نے کہا آج صبح پولیس افسر نے اس کو برآمد کیا تھا ہم چاہا یہ قاضی صاحب کے ہاتھ سے ٹوٹے۔ قاضی صاحب نے فوراً جزاک اللہ کہا اور اس کو توڑ دیا۔ پھر دوسری باتوں میں لگ گئے۔ خلیفہ نے موقعہ پاکر قاضی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے اپنے وکیل کو ایک معین چیز لانے کا حکم دیا۔ مگر وہ غلطی سے دوسری شے لے آیا۔ اور وہ دوسری چیز تلف اور ضائع ہو گئی۔

قاضی صاحب نے فوراً فرمایا اس پر ضمان ہے۔ تھوڑی دیر بعد قاضی صاحب تشریف لے گئے تو خلیفہ مہدی نے خادم سے کہا مسئلہ سن لیا۔ عود کا ضمان ادا کردو۔

بادشاہ کے خلاف قاضی کی عدالت میں استغاثہ

سلطان غیاث الدین بنگالہ (المتوفی ۷۶۸ھ) کے متعلق صاحب ریاض السلاطین رقمطراز ہیں کہ سلطان غیاث الدین بادشاہ خوب بود ودر مطابعت شرع شریف سر موئے قاصر نہ شد۔

اور اس کی تائید میں یہ سبق آموز واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ ایک موقعہ پر اتفاقاً سلطان کا تیر غلطی سے ایک بیوہ خاتون کے فرزند عزیز کو لگ گیا۔ بیوہ نے قاضی وقت مولانا قاضی سراج الدین کی عدالت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ قاضی صاحب کو پریشانی ہوئی کہ اگر بادشاہ کی رعایت کرتا ہوں۔ تو خدا کی عدالت میں ماخوذ ہوتا ہوں۔ اگر بادشاہ کو طلب کرتا ہوں۔ تو اپنے لئے خطرات ہیں۔ مگر عدل و انصاف کے پیش نظر قاضی صاحب نے ایک پیادہ بادشاہ کی طلبی کے لئے روانہ کر دیا۔ اور خود دُرّہ زیر مسند رکھ کر عدالت میں بیٹھ گیا۔ عدالت کا پیادہ محل سلطانی کے قریب پہنچا تو حضور شاہ میں رسائی کی صورت نہ پاکر اذان دینا شروع کر دی۔ بادشاہ بے وقت اذان کی آواز سن کر مؤذن کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ دربانوں نے مؤذن کو حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس سے اس بانگ بے ہنگام کا سبب دریافت کیا۔ اس نے بادشاہ کو محکمہ قضاء میں حاضر ہونے کا حکم سنایا۔ یہ سن کر سلطان فوراً اٹھا۔ اور پیادہ کے ہمراہ عدالت میں حاضر ہو گیا۔ قاضی صاحب نے اس کے اعزاز و اکرام کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اور حاکمانہ انداز میں کہا یہ بیوہ استغاثہ کر رہی ہے۔ یا اس کو راضی کر کے استغاثہ اٹھوائیے۔ یا سزا کے لئے تیار ہو جائیے۔ چنانچہ سلطان نے بہت کچھ نقد دے کر بیوہ کو راضی کر کے قاضی سے عرض کیا کہ یہ بیوہ راضی ہو گئی ہے۔ قاضی نے ضعیفہ سے پوچھا کیا تیری داد رسی ہو گئی ہے۔ اور تو راضی ہے؟ بیوہ نے کہا ہاں میں اب راضی ہو گئی ہوں۔ ضعیفہ کا جواب سننے کے بعد قاضی بادشاہ کی تعظیم کے لئے اٹھا اور مسند پر بٹھایا۔ اس وقت بادشاہ نے بغل سے شمشیر نکال کر قاضی سے کہا کہ میں حکم شرعی کی تعمیل کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت اگر میری رعایت کر کے سرِ مُو بھی حکم شرع سے تجاوز کرتے۔ تو اسی شمشیر سے گردن اُڑا دیتا۔

قاضی صاحب نے مسند کے نیچے سے دُرّہ نکال کر دکھایا کہ میں بھی دُرّہ لے کر بیٹھا تھا۔ اگر آپ حکم شرع کی تعمیل میں ذرا بھی پس و پیش کرتے۔ تو بخدا اسی دُرّہ سے پُشت سرخ و سیاہ کر ڈالتا۔

رسیدہ بُود بلائے ولے بخیر گذشت

بادشاہ نے خوش ہو کر قاضی صاحب کو انعام و اکرام سے نوازا۔ (انتہیٰ)

مشائخ اور سلاطین کے تعلقات

سلاطین۔ صوفیہ کرام کے آستانوں پر برابر جھکتے رہے۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی کی دعوت پر شہاب الدین غوری ہندوستان آیا۔

التمش حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید تھا۔ اور رات کو ان کے پاؤں بھی دباتا تھا۔

حضرت جلال الدین تبریزیؒ دہلی تشریف لائے تو اس نے خدم و حشم کے ساتھ دہلی سے باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ قاضی قطب الدین کاشانی اس کے دربار میں تشریف لائے تو ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔

اسی طرح دربار میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا خیر مقدم تخت سے اتر کر کیا اور ایک موقعہ ان کے قدموں پر بھی گر پڑا۔

بلبن:۔ اپنی شاہانہ شوکت و عظمت کے باوجود مشائخ کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ اور حصول برکت کے لئے انکے گھروں پر بے تکلف جاتا۔ وہ شیخ علی چشتیؒ کا بڑا گرویدہ تھا۔ چنانچہ جب ان کو لینے کے لئے چشت سے ایک وفد آیا تو اس نے ان کے قدموں پر گر کر ان کو چشت جانے سے روکا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی ایک لڑکی حضرت بابا فریدالدین شکر گنجؒ کے حبالۂ عقد میں دی تھی۔ اس لحاظ سے سلطان ناصر الدین محمود ان کا ہم زلف تھا۔

جلال الدین خلجی حضرت بو علی قلندر پانی پتی کا مرید تھا۔

علاؤالدین خلجی:۔ بعض اسباب کی بنا پر خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے مل تو نہ سکا۔ لیکن اس نے اپنے دونوں بیٹوں خضر خان اور شادی خان کو ان کے حلقۂ ارادت میں داخل کر دیا۔ اور جب حضرت خواجہ کی مجلس سماع کے اشعار اس کے سامنے دہرائے جاتے تو وہ ان کو آنکھوں سے لگاتا۔ اور بار بار پڑھتا۔

قطب الدین مبارک خلجی:۔ سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومیؒ کا مرید تھا۔

سلطان محمد تغلق حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے حضرت شیخ علاؤالدینؒ کا مرید تھا۔ اس نے حضرت خواجہ

نظام الدینؒ اولیاء کے جنازے کو کندھا دیا۔ اور ان کے روضہ مبارک کی عمارت بنوائی۔ اور حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ کی خانقاہیں بھی اس نے تعمیر کرائیں۔ سلطان فیروز شاہ تغلق بھی حضرت شیخ علاؤ الدینؒ اجودھنی کا مرید تھا۔ وہ مشائخ کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا۔ حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت اس کے دربار میں تشریف لائے تو تخت پر ساتھ بیٹھے۔

بابر:- حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے آستانہ پر خود حاضر ہوا تھا۔ اور حضرت گنگوہیؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ اس کو نصیحت فرمائی کہ وہ عدل قائم کرے۔ اور اوامر و نواہی کی پابندی کرے۔ نماز باجماعت ادا کرے اور علماء کو دوست بنائے۔

ہمایوں:- حضرت غوث گوالیاری کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔

اکبر:- کو شیخ سلیم چشتیؒ سے جو عقیدت رہی۔ وہ اس کی زندگی کا اہم جزو ہے۔ ان ہی کی خاطر اس نے فتح پور سیکری کو تمام شہروں کا سرتاج بنا دیا۔ اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کاموں سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی کے آستانہ پر حاضر ہوتا۔ میدان جنگ میں حضرت خواجہ سے حصول برکت کے لئے یا معینؒ کا نعرہ بھی لگاتا۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش کی خوشی میں حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دینے کے لئے آگرہ سے اجمیر تک پیادہ پا چل کر گیا۔

جہانگیر تو حضرت شیخ سلیم کے سایۂ عاطفت میں پلا۔ اس لئے وہ بزرگوں، درویشوں حتیٰ کہ سنیاسیوں سے بھی بے حد عقیدت رکھتا تھا۔ کچھ دن اس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے اختلاف ضرور رہا۔ لیکن جب اس کی غلط فہمی دور ہوئی تو وہ حضرت مجددؒ کا بہت گرویدہ ہو گیا۔ ایک مشہور روایت ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک دستاویز نجات اور وہ حضرت مجددؒ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں لے جائے گا۔ تو تیرے بغیر نہ جاؤں گا۔

شاہجہان:- بچپن ہی میں حضرت مجددؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا تھا۔

عالمگیر نے سلوک و طریقت کی تعلیم حضرت مجددؒ کے صاحبزادے حضرت معصومؒ سے پائی۔

فرخ سیر نے حضرت سید شاہ سلیم اللہ سے بیعت کی۔

محمد شاہ رنگیلا کو شاہ مبارک۔ شاہ بدا۔ اور شاہ رمز سے بڑی عقیدت تھی۔

عالمگیر ثانی کا برتاؤ تو درویشوں سے غیر معمولی عقیدت مندی کے تحت تھا۔

شاہ عالم کو حضرت شاہ فخر الدین دہلوی سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔

بہادر شاہ ظفر بھی انہی کا مرید تھا۔ اور جب ان کا انتقال ہوا۔ تو ان کے صاحبزادے سے بھی وہی عقیدت قائم رکھی۔

بقیہ حضرت ابوذر غفاری

ہو کر جواہر و یکتا موتیوں کو جمع کر دو۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ پیار و عقیدت کا پیکر سامنے کھڑا ہے اور بصد آداب ہلکی سی آواز سے کہہ رہا ہے۔ السلام علیکم یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کی بیعت ہو جاؤں۔ آپؐ نے بیعت کر لیا۔

آپ نے اسلام میں وہ مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیے جن کو تاریخ سنہری قلم پہ مجبور ہے۔ آپ کا علم اتنا وسیع تھا کہ آپ فخریہؓ خود فرمایا کرتے تھے۔ لقد ترکنا محمدؐ اد ما یحول طائر بجناحیہ فی السماء الا ذکرمنہ علماً۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس وقت چھوڑا کہ جب ہمیں فضا میں اڑنے والے پرندوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ علم ہو چکا تھا۔

آپ کے بارے میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من سرّہ ان ینظر الی زھد عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذرؓ۔ وہ شخص جو عیسیٰؑ کے زہد کو دیکھنا چاہتا ہو وہ ابوذر کو دیکھ لے ؎

وہ مجاہد زندگی جس کی تھی سرتا پا عمل
وہ مہاجر جس کی ہجرت کا نہیں کوئی بدل

عیسائی مصنف کا قبول اسلام

رپورٹ : حافظ بشیر احمد چیمہ

معروف عیسائی مصنف اور فلم ڈائریکٹر اعجاز چودھری نے ۲۳ اپریل ۷۶ء کو جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں نماز جمعۃ المبارک کے موقع پر جمعیۃ علماء اسلام ضلع گوجرانوالہ کے امیر اور عدالت عظمیٰ شرعیہ پاکستان کے قاضی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کی مدت سے خواہش رہی ہے کہ وہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدو جہد کریں لیکن خدا کی توحید پر کامل یقین کے بغیر خدا کی حاکمیت کا قیام نہیں ہو سکتا اور توحید کا عقیدہ اپنی اصلی شکل میں صرف اسلام پیش کرتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اسلام کو دینِ حق سمجھتے ہوئے اسے قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور وہ پورے یقین اور مسرت کے ساتھ اس کا اعلان کرتے ہیں۔

اس سے قبل احباب کی ایک مجلس میں اعجاز چودھری صاحب نے قبول اسلام کے پس منظر اور محرکات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا تعلق نارنگ منڈی کے ایک معروف مذہبی عیسائی گھرانے سے ہے اور ان کے والد اب بھی عیسائیت کی تبلیغ میں شب و روز سرگرم ہیں۔

انہوں نے کہا کہ میری تعلیم و تربیت اور نشوو نما مذہبی ماحول میں ہوئی ہے۔ اور انہوں نے تعلیم کے دوران ہی بائیبل مکمل طور پر پڑھ لی تھی۔ لیکن جب تعلیم مکمل کرنے کے بعد پشاور بطور ٹیچر ان کا تقرر ہوا۔ اور انہوں نے بائیبل کا آزادانہ مطالعہ شروع کیا تو بعض باتیں کھٹکنے لگیں خصوصاً تثلیث کا عقیدہ اور عبادت گاہوں میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط سلسلہ گراں گزرتا ہے چنانچہ انہوں نے "انجمن اہل کتاب" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کا مقصد اس سلسلہ میں آواز اٹھانا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد ان کا تبادلہ لاہور ہو گیا اور انہوں نے فلمی لائن اختیار کر لی یہاں انہوں نے "چرچ آف پاکستان" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور کچھ اور افراد کو بھی ساتھ ملایا لیکن مشنری اداروں نے مختلف ہتھکنڈوں سے وہ ساتھی جدا کر دیے اور اصلاحِ احوال کی یہ کوشش بھی نتیجہ خیز نہ ہو سکی۔

چوہدری صاحب نے بتایا کہ چرچ آف پاکستان کی ناکامی کے بعد انہوں نے انفرادی جد و جہد کا آغاز کیا اور شاہدرہ میں فیتھ پبلشرز کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا اور اپنے دلی جذبات دوسرے مسیحی بھائیوں تک پہنچانے کے لیے ایک کتاب "تطہیر بائیبل" کے نام سے شائع کی جس میں دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کی کہ:۔

۱۔ موجودہ بائیبل اصلی نہیں ہے بلکہ اس میں بہت زیادہ تحریف کی گئی ہے۔

۲۔ بائیبل میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کی توہین پر مبنی اور ان کی عصمت کے منافی جتنے واقعات درج ہیں سب بے بنیاد ہیں۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا کے بیٹے ہیں نہ جزو بلکہ صرف رسول ہیں ان کے علاوہ تثلیث اور کفارے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن اس کتاب کا اب تک کوئی مثبت جواب نہیں دیا گیا اور سوائے تخریبی کارروائیوں اور شرارتوں کے وہ کچھ نہیں کر سکے۔

اعجاز چوہدری صاحب نے کہا کہ اس طرح

سوچ بچار اور جدوجہد کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عیسائیت کی موجودہ شکل مسخ شدہ ہے اور اسلام ہی ایک ایسا سچا دین ہے جو اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود ہے اور انسانیت کو دنیوی اور اخروی نجات سے بہرہ ور کر سکتا ہے اس لیے میں نے دین حق سمجھتے ہوئے اسلام کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اسلام کی حقانیت اور بائیبل کے تضادات کو عیاں کرنے کے لیے ایک ادارہ قائم کر کے جدوجہد کروں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

اعجاز چوہدری صاحب نے جب نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قبول اسلام کا اعلان کیا تو مسلمانان گکھڑ نے پوری گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ مولانا محمد سرفراز خان صاحب نے چوہدری صاحب کو قبول اسلام پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ان کی استقامت کے لیے دعا کی۔

اس موقع پر اعجاز چوہدری صاحب نے اعلان کیا کہ وہ قبول اسلام کے ساتھ ہی فلم لائن کو بھی ترک کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور آئندہ وہ اسلام کی تبلیغ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

چوہدری صاحب کے ایک پرانے ساتھی جو سابق عیسائی مبلغ ہیں اور تین سال قبل انہوں نے اسلام قبول کیا تھا ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے بھی عوام سے خطاب کیا اور عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے عوام کو آگاہ کیا۔

نماز جمعہ کے بعد جمعیۃ علماء اسلام گکھڑ کے کارکنوں کا اجلاس زیر صدارت حاجی اللہ دتہ بٹ منعقد ہوا جس میں اعجاز چوہدری صاحب کے قبول اسلام پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی استقامت کے لیے دعا کی گئی۔ اجلاس سے جمعیۃ کے ضلعی امیر مولانا محمد سرفراز خان اور ضلعی قانونی مشیر چوہدری خالد جاوید ایڈووکیٹ نے بھی خطاب کیا۔ یاد رہے کہ خالد جاوید ایڈووکیٹ بھی حال ہی میں قادیانیت سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں اور ان دنوں جمعیۃ کے ضلعی قانونی مشیر ہیں۔

علاقہ کے مسلمانوں میں ان تینوں نومسلموں کے خیالات سننے کے بعد مسرت اور جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خصوصاً نوجوان طبقہ اسلام کی تبلیغ اور حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے دلی جذبات میں ہلچل محسوس کر رہا ہے۔

آہ — سید ابوبکر غزنوی

غزنوی خاندان کے ہونہار فرزند، ممتاز ماہر تعلیم جناب سید ابوبکر غزنوی پچھلے دنوں لندن میں منعقد ہونے والے "جشن عالم اسلامی" میں سرکاری وفد کے ممبر کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ۵ اپریل کو ایک حادثہ کا شکار ہوئے ۲۵ کو وہیں ہسپتال میں انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کے حادثہ کی خبر جس دن ملی اسی دن سے ملک بھر میں ان کی صحت کے لیے دعائیں ہو رہی تھیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور زید مجدہم نے گذشتہ دنوں مجلس ذکر میں بڑے اہتمام سے دعا مانگی۔ ان کی خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ ان کے اباجان کو خراج عقیدت پیش کیا ان کی رواداری، وسعت قلبی، ذکر و فکر سے لگاؤ، خاندانی وجاہت حضرت اقدس لاہوری قدس سرہ اور آپ کی جماعت سے تعلق و وابستگی کا ذکر کیا اور پوری جماعت کو توجہ دلا کر پوری دلسوزی و خلوص کے ساتھ ان کی صحت کے لیے مسلسل دعاؤں کا فرمایا۔

لیکن کسی کو کیا معلوم تھا کہ ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور وہ عین عالم شباب میں اپنے معصوم بچوں، عفت مآب بیوی، شاگردوں، عقیدت مندوں اور دوستوں کو روتا دھوتا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملیں گے۔

سچی بات یہ ہے کہ مرحوم میں اس قدر خوبیاں تھیں جن کا اظہار مشکل ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالے کے خصوصی فضل اور ان کے ابا بزرگوار کی حسن تربیت کا ثمرہ ہے۔

انہوں نے اپنے عظیم المرتبت والد کے بعد جس طرح دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے علمی و روحانی نظام کو سنبھالا اور پھر انجنیئرنگ یونیورسٹی سے لے کر جامعہ بہاولپور تک جو نقوش چھوڑے وہ ان کا نام روشن کرنے کے لیے کافی ہیں۔

خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کے بچوں کا محافظ و نگران ہو اور ان کی وراثت علمی و روحانی کا کوئی بہتر محافظ پیدا فرمادے ؎

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

○ جمعیۃ علماء اسلام [illegible] اور لاہور جمعیت کے مخلص کارکن حافظ محمد یوسف ایڈووکیٹ اور مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ کے طالب علم محمد افضل کے والد انتقال کر گئے۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے۔

○ خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا سید محمد شاہ صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام صوبہ سندھ کے فرزند ارجمند سید منیر شہید کے گھر، ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ کی شب اللہ نے چاند سا بیٹا عنایت فرمایا جس کا نام سید رشد اللہ شاہ امروٹی رکھا گیا۔

یاد رہے کہ مرحوم نے اپنی زندگی میں فیصلہ کیا تھا کہ اگر خدا نے مجھے بیٹا عنایت کیا تو اس کا نام یہ رکھونگا۔

اللہ تعالے نو مولود کو عمر خضر، علم نافع اور عمل صالح سے مالا مال فرمائے۔ اور اپنے بزرگوں اور اسلاف کی روایات کا وارث بنائے۔

ادارہ اپنے امیر محترم مولانا عبیداللہ انور سمیت سید امروٹی صاحب قبلہ اور پورے خاندان کی خوشیوں میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ)

○ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ناظم انتخابات قاری نورالحق قریشی کے اعلان کے مطابق ملک کے چاروں صوبوں کے انتخابات کا پروگرام یہ ہے:۔

یکم مئی صوبہ بلوچستان بمقام کوئٹہ ۳ مئی صوبہ سندھ بمقام سکھر
۶ مئی صوبہ سرحد بمقام پشاور ۹ مئی صوبہ پنجاب بمقام لاہور